دعوت الی اللہ

چند سوالات و جوابات

مفتی محمد مصطفےٰ مفتاحی

سلیم الفطرت، سمجھدار، باشعور، دیندار حضرات
کیلئے ایک شاندار تحفہ

ناشر

10/3/2002

قیمت

فہرستِ سوالات

(۱) موجودہ زمانے میں دعوتی کام کو کسی ایک شعبے کے تحت یا چند مخصوص حضرات کی فکر پر شروع کیا جائے تو کیا کامیابی حاصل ہو سکتی ہے؟

(۲) دعوتی کام کی شروعات کہاں سے کی جائے؟

(۳) موجودہ زمانہ اور پچھلے زمانہ میں سب سے بڑا فرق کیا ہے؟

(۴) موجودہ زمانے میں دعوتی شعور دینے یا دعوت کی ترغیب دینے کے باوجود عمومی طور پر مسلمانوں میں کیوں دعوتی ذہن پیدا نہیں ہو رہا ہے؟

(۵) جن لوگوں میں دعوتی شعور بیدار ہو چکا ہے وہ کیوں دعوت کا کام نہیں کر رہے ہیں؟

(۶) کیا دعوت کا کام ہر ملک میں کھلے عام کرنا درست ہے؟

(۷) موجودہ حالات کے تحت دعوت کا طریقۂ کار کیا ہو؟

ان اوراق کو لکھنے کی ضرورت

موجودہ زمانے میں دنیا کے مختلف گوشوں سے دعوت الی اللہ کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں، مختلف لوگ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنے اپنے انداز پر اس کام کو انجام دینے کی کوشش کر رہے ہیں، لیکن کئی پہلو نگاہوں سے اوجھل ہو رہے ہیں، ان اوراق میں کوشش کی گئی ہے کہ ان پہلوؤں کو واضح طور پر سمجھایا جائے تاکہ داعی حضرات اس عظیم الشان کام کو صحیح ڈھنگ سے کر سکیں اور زیادہ سے زیادہ کامیابیاں مل سکیں۔

امید ہے کہ آپ حضرات ان اوراق کو پڑھیں گے اور ہمیں بھی اپنے ضروری اور اہم مشورہ سے آگاہ فرمائیں گے تاکہ ہماری بھی اصلاح ہو اور ہم سب اس کام کے بوجھ کو صحیح طریقہ سے اٹھا سکیں اور دعوت کے کام کرنے والوں کو بھی نسبتاً صحیح راستہ بتا سکیں۔ امید کہ آپ ہمارے پتہ پر خط و کتابت ضرور کریں گے، ہم آپ کے ممنون و مشکور رہیں گے۔

مفتی محمد مصطفیٰ مفتاحی

۸/ذوقعدہ ۱۴۱۴ھ

م ۲/اپریل ۱۹۹۴ء

دعوت الی اللہ سے متعلق چند آیات

○ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ (البقرۃ: ۱۴۳)

ترجمہ: ہم نے تمہیں ایک امتِ وسط اس لئے بنایا ہے کہ لوگوں پر تم گواہ رہو اور رسولؐ تم پر گواہ ہوں۔

○ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (اٰل عمران: ۱۰۴)

ترجمہ: (تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے کہ وہ خیر کی طرف بلایا کرے اور نیک کاموں کے کرنے کو کہا کرے اور بُرے کاموں سے روکا کرے اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

○ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔ (آلِ عمران: ۱۱۰)

ترجمہ: تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے نکالی گئی ہو، تم حکم دیتے ہو نیکی کا اور روکتے ہو برائی سے اور ایمان لاتے ہو اللہ پر۔

○ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ۔ (یوسف: ۱۰۸) ترجمہ: آپ ارشاد فرما دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے۔ میں لوگوں کو پوری بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف بلاتا ہوں میں اور میری پیروی کرنے والے بھی۔

○ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ

بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (النحل: ۱۲۵)

ترجمہ: دعوت دو اپنے رب کے راستے کی حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور ان سے بحث کرو بہتر انداز کے ساتھ۔

○ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ (الانعام: ۱۹)

اور میرے پاس اس قرآن کی وحی آئی ہے تاکہ میں اس کے ذریعہ تم کو ڈراؤں ..... اور جن کو یہ پہونچے ان کو بھی۔

○ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَاۤ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ (پ۲۴)

ترجمہ: اس شخص سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو (لوگوں کو) اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور یہ کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔

○ وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

ترجمہ: قسم ہے زمانہ کی کہ انسان بڑے خسارہ میں ہیں مگر جو لوگ کہ ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور ایک دوسرے کو حق کی فہمائش کرتے رہے اور صبر کی فہمائش کرتے رہے۔

◐ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَةً (مشکوٰۃ)

ترجمہ: میری طرف سے تبلیغ کرو اگرچہ ایک ہی آیت ہو۔

◐ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ جب تم کوئی برائی دیکھو تو اسکو ہاتھ سے روک دو یا زبان سے برا بولو، اگر اتنا بھی نہیں کرسکتے تو دل سے برا مانو، یہ ایمان کا آخری درجہ ہے۔ ؎ [redacted]

ہے بارِ امانت انسان پر ∴ اس کا بھی اسے احساس نہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

موجودہ زمانے میں دعوتی کام کو کسی ایک شعبے کے تحت یا چند مخصوص حضرات کی فکر پر شروع کیا جائے تو کیا کامیابی حاصل ہو سکتی ہے؟

موجودہ زمانے میں جو لوگ دعوتی کاموں کی ضرورت محسوس کرتے ہیں ان میں سے اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ دعوت الی اللہ کا کام کسی وسیع ادارہ کے ایک باقاعدہ ضمنی شعبے کے تحت کیا جائے یا چند مخصوص دعوتی ذہن والے افراد کی کوشش سے کیا جائے، سارے مسلمانوں کو یہ کام کرنے کی ضرورت نہیں اور نہ یہ کام سب کے کرنے کا ہے۔

لیکن یہ خیال محض ایک خیال ہے، اس کے دامن میں افادیت نہیں ہے، کیوں کہ دنیا میں جہاں کہیں بھی دعوت کا کام صرف چند مخصوص حضرات کی انفرادی فکر اور کوششوں سے یا ضمنی شعبہ کے تحت کیا جا رہا ہے تو انکی محنتوں سے کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں ہو رہا ہے آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کو ذیل کی مثالوں سے سمجھئے:

پہلی مثال:——— جیسے کسی دواخانے میں کئی ڈاکٹر اور

ان کا عملہ (نرسس، کمپاؤنڈر، خون و پیشاب کا معائنہ کرنے والے، غلاظت صاف کرنے والے، اکسرے نکالنے والے اور دوا دینے والے وغیرہ وغیرہ) ہوتے ہیں اور یہ سب اپنے آپ کو میڈیکل اسٹاف سمجھتے ہیں اور ان میں مرض کی تشخیص اور دوا تجویز کرنے والے نیز آپریشن کرنے والے ڈاکٹر اور دوسرے امور انجام دینے والے افراد الگ الگ ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود سب کا مقصد اور سب کی فکر ایک ہی ہوتی ہے اور سب ایک دوسرے کے معاون ہوتے ہیں۔

اب اگر اس پورے اسٹاف میں سے صرف دو چار ڈاکٹروں کو مریضوں کے علاج کی فکر ہو اور مریضوں سے ہمدردی اور انکی خیر خواہی کا جذبہ ہو اور باقی پورے ڈاکٹر اور ان کا عملہ اپنے مقصدِ ملازمت اور اپنے فرائض کے خلاف مریضوں سے بغض و عداوت اور دشمنی رکھتا ہو اور مریضوں کو وقت پر دوا نہ دیتا ہو یا ڈاکٹر کی تجویز کے خلاف الٹی دوائیں دیتا ہو یا اپنے اپنے شعبوں میں صحیح دیکھ بھال نہ کرتا ہو تو ظاہر ہے کہ ایک دو ڈاکٹر اپنی تمام کوششوں کے باوجود دوسرے عملہ کے تعاون نہ ہونے کے سبب علاج میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

دوسری مثال :—— ہر ملک میں فوج اور اس کا محکمہ ہوتا ہے اور اس کے مختلف شعبے ہوتے ہیں۔ کوئی شعبہ ہتھیاروں اور سواریوں کا انتظام کرتا ہے، کوئی زخمیوں کا علاج کرتا ہے اور کوئی کپڑے، غذائیں اور دوسری ضروریات فراہم کرتا ہے۔ ایک شعبہ اور اہم شعبہ محاذ پر لڑنے والے جوانوں کا ہوتا ہے لیکن شعبے چاہے جتنے بھی

ہوں، سب میں بس یہی ایک فکر اور ذہن رہتا ہے کہ وہ فوجی ہیں اور ان کا وجود صرف اس لئے ہے کہ وہ ان جوانوں کے شعبہ کی مدد کریں گے جو محاذ پر لڑتے ہیں۔

اَب ذرا غور فرمائیے کہ اگر دوسرے تمام شعبے یہ سوچیں کہ محاذ پر جاکر لڑنا ہمارا کام نہیں، ہمارے ذمہ تو صرف ایک مخصوص شعبہ کا کام ہے، یہ سوچ کر وہ اپنی اپنی اصل ذمہ داریوں اور فرائض کے خلاف دشمن کی فوج سے ساز و باز شروع کر دیں یا دشمن فوج کی چمک دمک سے مرعوب ہو جائیں اور اپنی فوج کے قاعدے اور قانون کی خلاف ورزیاں شروع کر دیں یا دشمن کی فوج کے طور طریقہ کو اختیار کر لیں تو کیا لڑنے والا شعبہ کبھی کامیاب ہو سکے گا؟ کھلی بات ہے کہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ جب تک سارے شعبے "ایک ٹیم" کی حیثیت سے اپنے مقصد کو نگاہ میں رکھ کر ٹیم ورک نہیں کریں گے، کامیابی نہیں مل سکے گی۔

بالکل اسی طرح دعوتی کام کو سمجھئے، دعوتی کام کے تعلق سے پوری دنیا میں مسلمانوں کی حیثیت ڈاکٹر اور اس کے عملہ کی اور غیر مسلموں کی حیثیت بیمار اور مریض کی ہے۔ اس لئے اس کام میں سارے مسلمانوں کا عمومی تعاون ضروری ہے، جیسے دواخانہ میں ڈاکٹر کے لئے سارے عملہ کا تعاون ضروری ہوتا ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ سب کا تعاون نہ ملے تو جو لوگ اس کام کو کر رہے ہیں وہ بھی کام نہ کریں، بند کر کے اپنے گھروں میں بیٹھ جائیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی اپنی طاقت کی حد تک کام جاری رکھتے ہوئے مسلمانوں کو اس کام کی اہمیت بتلا کر اپنے اپنے شعبے سے اس کام کی مدد کرنے کی تلقین کرتے رہیں اور

دعوتی کام کو مذکورہ محدود معنوں میں نہ لیں کہ یہ صرف ایک شعبے کا کام ہے اور یہ نہ کہیں کہ یہ سب کے کرنے کا کام نہیں۔ اگر ایسا کہا اور سمجھا جائیگا تو کامیابی کا ملنا بہت مشکل اور دشوار بن جائے گا۔

کسی کسی ولی نے دعوت کے کام میں تنِ تنہا جو کامیابی حاصل کی ہے وہ دراصل کرامت ہے، یہاں گفتگو کرامت اور خرقِ عادت کی نہیں ہے بلکہ اسباب کی دنیا میں رہتے ہوئے تدبر و تدبیر کی ہے خوب اچھی طرح ذہن نشیں کر لیجیے کہ دعوت کے کام کی مثال "نمک" کی سی ہے، سالن کی جو بھی قسم بنائیے جب تک اس میں نمک شامل نہیں ہوگا سالن پھیکا ہی رہے گا۔ اسی طرح مسلمانوں کے اندر دین کا کام چاہے کتنے ہی شعبوں میں تقسیم کیا جائے اگر ان میں دعوتی ذہن اور فکر نہ ہو تو دین کی کما حقہ اشاعت میں بھی بہت دشواریاں ہوں گی اور خود مسلمانوں کو بھی اپنے صحیح دین پر باقی رہنا مشکل ہوگا۔ چنانچہ موجودہ زمانے میں مسلمانوں کے معاشرتی اور سماجی شعبوں، سیاسی اداروں، خارجی پالیسیوں، صلح و جنگ کے مرحلوں اور عدل و انصاف کے دائروں میں جو ظلم نظر آرہا ہے یا تجارت کی منڈیوں اور بازاروں میں جو بے ایمانی اور دھوکہ بازی، فریب منھ پھاڑے غیروں کی نقالی کرتے ہوئے سب کو نگل رہی ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ مسلمانوں کی نگاہوں سے ان کا عالی منصبِ امامت اور مقصدِ وجود اوجھل ہو گیا ہے، ان کو قطعی یہ احساس نہیں ہے کہ ان کی اصل ذمہ داری کیا ہے؟ اور ان کو دوسری قوموں کے درمیان کیوں رکھا گیا ہے؟ چنانچہ اسی غفلت اور بھول کی وجہ سے ان کے نزدیک بھی عزت و ذلت، بزدلی و بہادری

اپنے اور پرائے کے وہی پیمانے آگے ہیں جو دوسری قوموں نے اپنی کم نگاہی سے تراش رکھے ہیں، جس کی وجہ سے اسلام کی دعوت کی عملی شکل پوری طرح بگڑی ہوئی ہے۔ اگر مسلمانوں کو اپنے اپنے شعبوں میں خیر امت ہونے کا صحیح احساس ہوتا تو ان میں یہ بگاڑ پیدا نہیں ہوتا اس بگاڑ کو دور کرنے کی واحد شکل یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان کا اپنا بھولا ہوا سبق یاد دلایا جائے اور انہیں احساس دلا کر اپنے اپنے شعبوں میں دعوت کے کام میں لگایا جائے اور یہ سمجھایا جائے کہ وہ عمومی طور پر اپنی اپنی طاقت و استطاعت کی حد تک اس کام کو کرتے رہیں۔ سلیقہ ہو تو زبان سے بھی دعوت کا کام کریں ورنہ اپنے اپنے شعبوں اور کاروبار میں ایسا رویہ رکھیں کہ جس سے دعوت کے کام کو تقویت ملے۔

محض چند افراد ایک ادارہ بنا کر کام کریں یا کسی وسیع ادارہ کے ایک ذیلی شعبہ میں یہ کام کیا جائے اور بقیہ تمام مسلمان اس کی مخالفت کریں یا اس کی طرف سے غفلت اور بے توجہی برتیں تو مشکل ہے کہ اسباب کی اس دنیا میں وہ کامیابی ملے جس کی توقع کی جارہی ہے اس لئے دعوتی کام کی شروعات کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے مسلمانوں کو ترغیب دی جائے کہ وہ دعوتی ذہن کے ساتھ اپنے اپنے شعبہ میں کام کرتے ہوئے کاروبار میں مشغول رہیں تاکہ خصوصی طور پر دعوت الی اللہ کے کام کرنے والے شعبے اور جماعت کے ساتھ پورا پورا تعاون ہو، جیسے دواخانے میں آپریشن کرنے والے کا تعاون نرسس، کمپاؤنڈر، وارڈ بوائے، خون و پیشاب کا معائنہ کرنے والے،

اکسرے نکالنے والے یا دایہ کا کام کرنے والے کرتے ہیں۔

یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوسکتا ہے کہ اگر دعوت والا شعبہ دعوت کا کام کرتا رہے تو کیا مسلمانوں پر سے یہ ذمہ داری ادا نہ ہو جائیگی؟۔

بیشک دعوت کا کام ایک مخصوص شعبہ سے ہوتا رہے تو ہر ملک اور ہر علاقے کے مسلمانوں کی طرف سے ان علاقوں میں یہ ذمہ داری ادا ہو جائے گی جیسے کسی ملک کی حفاظت کے لئے فوج ہوتی ہے تو دوسرے تمام شہریوں کو لڑنے کی ضرورت نہیں ہوتی مگر ملک کا نظام درہم برہم ہو جائے اور لڑنے والی فوج باقی نہ رہے تو اس صورت میں جس طرح ہر شہری پر ملک کی حفاظت اپنی اپنی طاقت کے مطابق ضروری ہو جاتی ہے اسی طرح جب اسلامی مملکت اور نظام نہ ہو اور مسلمانوں کی طرف سے کوئی جماعت یہ کام کرنے کے لئے مقرر نہ کی جائے تو اس صورت میں سارے مسلمانوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی اپنی استعداد کے مطابق دعوت کا کام ..... کرتے ہوئے دعوت کا فریضہ ادا کرتے رہیں۔ مگر بحث یہاں ذمہ داری کے ادا ہونے یا نہ ہونے کی نہیں بلکہ کام میں کامیابی کے ملنے اور نہ ملنے کی ہو رہی ہے اسلئے اس کام میں کامیابی کے حاصل ہونے کے لئے سارے مسلمانوں کو عمومی طور پر دعوتی ذہن و فکر رکھنا ہوگا تاکہ آپریشن کرنے والے اپنے آپریشن میں کامیاب ہوسکیں۔

دعوتی کام کہاں سے شروع کیا جائے؟

مسلمانوں کی حیثیت اصلاً داعی کی اور غیر مسلموں کی حیثیت مدعو قوم کی ہے۔ داعی کو مدعو سے محبت و ہمدردی ہونی چاہیئے نہ کہ عداوت و نفرت، اگر تاجر اپنے گاہک سے نفرت رکھے، قوتِ برداشت نہ رکھے تو وہ اپنی تجارت میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔

مگر موجودہ زمانہ میں مسلم عوام میں بھی اور خواص میں بھی دعوتی ذہن اور فکر نہ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں اور غیر مسلموں میں بہت زیادہ دوری اور کشیدگی بڑھ رہی ہے، مسلمانوں کی بیشتر تنظیموں اور اداروں سے بھی غیر مسلموں کو کوئی ہمدردی نہیں ملتی۔ بہت سے مسلمان عام طور پر غیر مسلموں کو حقیر اور دشمن سمجھتے ہیں اور ان سے نفرت کا ماحول پیدا کیا جارہا ہے، مسلمانوں کے دوسرے شعبوں میں دعوتی ذہن نہ ہونے کی وجہ سے وہ مسلمانوں کو ذرا ذرا سی بات پر ٹکرانے، احتجاج کرنے، اپنے حقوق مانگنے یا ان کو مغلوب اور ذلیل کرنے یا صرف اپنی اپنی ہی اصلاح کرنے اور اپنوں ہی سے ہمدردی رکھنے کی ترغیب دیتے ہیں حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت، انسانی فطرت اور عقل کا تقاضہ ہے کہ غیر مسلموں کی عزت نفس کا لحاظ رکھا جائے۔ کفر کو مغلوب کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ غیر مسلموں سے انسانی بنیادوں پر حسنِ سلوک نہ کیا جائے۔

مسلمانوں کی اس روش سے غیر مسلموں میں اسلام سے متعلق غلط فہمی پیدا ہورہی ہے اور وہ مسلمانوں سے نفرت کررہے ہیں۔ ان کے نزدیک

مسلمان ایک جنگجو، لڑاکو، دہشت پسند، وحشی اور بنیاد پرست قوم بن گئے ہیں جس کی وجہ سے وہ مسلمانوں سے کسی حسن اخلاق کا تصور ہی نہیں کر رہے ہیں۔ بلاشبہ مختلف اسباب سے بہت سے غیر مسلموں کے ذہن و عمل بھی جارحانہ ہیں لیکن ان کی شدت و جارحیت کا جواب و علاج ہر جگہ شدت و جارحیت نہیں ہے، عمومی حالات میں صبر، حسن سلوک، برداشت عفو و درگذر اور رواداری ہی مناسب ہے۔

عمومی طور پر مسلمانوں کا ذہن دعوتی نہ ہونے کی وجہ سے ایسا بھی ہو رہا ہے کہ جو لوگ اسلام قبول کر لیتے ہیں ان کو مسلم معاشرہ میں کوئی مقام نہیں مل پاتا۔ چنانچہ امریکہ یورپ اور دوسرے ممالک میں جو لوگ اسلام کے دائرہ میں آرہے ہیں وہاں کے مقامی مسلمان چونکہ عموماً دعوتی ذہن نہیں رکھتے اس لئے ان سے اپنے بچوں کے رشتے قائم نہیں کرتے محض چندہ کے نام پر چند سکّے دے دیتے ہیں اور ہمارے ملک میں تو اکثر اسلام قبول کرنے والے صرف چندے مانگتے پھرتے ہیں جبکہ انہیں استعداد کے مطابق کاروبار میں لگا دینا چاہیے۔

ان حالات کی روشنی میں وقت کا تقاضا ہے کہ دعوتی کام کی ابتدا عام مسلمانوں کی ذہن سازی سے کی جائے اور ان کے ذہن کو دعوتی بنایا جائے اور ان میں دعوت کی اہمیت اور ضرورت کا احساس پیدا کیا جائے اور اس طرح پیدا کیا جائے کہ دعوتی فکر ان پر مسلط ہو جائے تاکہ تمام مسلمان عمومی طور پر اپنے اپنے کاروبار، معاملات تجارت اور معاشرت میں دعوتی ذہن کے ساتھ اپنا اپنا رول ادا کرتے رہیں اور خصوصی طور پر دعوت الی اللہ والی جماعت کی مدد کریں۔

جب تمام مسلمانوں کی نشست و برخاست، رفتار و گفتار، معیشت و معاشرت اور تعلقات و معاملات دعوتی فکر کے ساتھ ہونے لگیں گے تو پہلا خوشگوار نتیجہ یہ سامنے آئے گا کہ مسلم اور غیر مسلم اقوام کے درمیان جو نفرت اور کشیدگی ہے وہ ختم ہو جائے گی یا کم ہو جائے گی، دونوں ایک دوسرے کے قریب آئیں گے، کبھی تصادم اور ٹکراؤ کی صورتِ حال پیدا بھی ہوگی تو ممکن حد تک اسے ٹالنے کی بہتر سے بہتر کوشش کریں گے بلکہ یکطرفہ صبر بھی کریں گے اور یکطرفہ صبر کرنے کو بزدلی نہیں سمجھیں گے نیز خوشی خوشی بڑے بڑے نقصانات بھی برداشت کرلیں گے۔ اس سے دعوت کے عمل کی فضا ہموار ہوگی۔ اس لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے عام مسلمانوں کے ذہن کو دعوتی بنایا جائے اور یہ بتایا جائے کہ دعوت کے عمل میں مسلمانوں کے کس طبقہ اور کس فرد کو کیا حصہ لینا ہے۔

دوسرا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ مسلمان نومسلمین کو اپنے خاندان کا ایک فرد سمجھ کر انکی تعلیم و تربیت کریں گے اور ان کے مسائل کو اپنے مسائل سمجھیں گے۔

موجودہ زمانے اور پچھلے زمانہ میں سب سے بڑا فرق کیا ہے؟

موجودہ زمانہ اور پچھلے زمانہ کے مسلمانوں کی حالت میں بڑا فرق ہے، قرآن و احادیث میں جتنے پیغمبروں اور ان کی قوموں کے حالات ملتے ہیں ان کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پچھلے زمانہ میں پیغمبر دعوت کا کام کرتے تھے اور ان کے ماننے والے ہر طرح ان کا ساتھ دیتے تھے، غیروں کی اذیت اور ظلم و بربریت کو برداشت کر کے پیغمبر کے لئے دعوت کی راہیں کھلی رکھتے، ان کے مال و جائداد کو لوٹ لیا جاتا، ان کی بیوی بچوں کو جور و ستم کا نشانہ بنایا جاتا تب بھی وہ مشتعل ہو کر ایسا کوئی قدم نہیں اٹھاتے جس سے پیغمبر کے دعوتی عمل میں کوئی رکاوٹ آجائے بلکہ وہ پیغمبر کے کام میں سہولت پہنچانے کے لئے ہر طرح صبر کرتے رہتے تھے۔

اس کے برعکس موجودہ زمانہ کے نوے ۹۰ فیصد مسلمانوں کو دعوت کا نہ شعور ہے اور نہ فکر، انہیں یہ احساس بھی نہیں کہ یہ کوئی ہماری ذمہ داری ہے۔ وہ نفرت کے شکار ہیں۔ ذرا ذرا سی باتوں پر ٹکرانے اور جھگڑا کرنے کے سوا کوئی بات ہی نہیں کرتے۔ کچھ مسلمان ایسے بھی ہیں جو دعوت کے کام کو پسند کرتے ہیں لیکن دفاع اور تحفظ کے نام پر بلا موقعہ و محل جہاد کی ترغیب بھی دیتے ہیں، ان لوگوں کو حالات کا قطعاً صحیح اندازہ نہیں رہتا، سوچئے کہ ایک ہی وقت میں ٹکراؤ اور دعوت کے دونوں کام کیسے انجام

پاسکیں گے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر مکی زندگی میں دعوت کا کام کرتے وقت مسلمانوں کو صبر کی تلقین نہ کرتے بلکہ اپنی حفاظت اور دفاع کیلئے ٹکرانے کی ترغیب دیتے تو مسلمانوں کا کیا حشر ہوتا؟ اور دعوت کے کام میں کتنی رکاوٹیں کھڑی ہو جاتیں، مکی زندگی میں مسلمانوں کو صبر کی تلقین کی گئی اور مدنی زندگی میں جو مسلمانوں کے عروج اور اقتدار کا زمانہ تھا، مسلمان بات بات پر مشتعل نہ ہوتے تھے، دونوں مقامات پر مسلمان کبھی اپنے پیغمبر کے کام میں رکاوٹ نہ بنے لیکن موجودہ زمانے میں کچھ مسلمان غیر مسلموں میں دعوت کی فکر رکھتے ہیں لیکن مسلمانوں کے عوام اور خواص کی بہت بڑی تعداد دعوت کی اور دعوت کے کام کی باقاعدہ مخالفت کرتی ہے۔ ان کے پیشوا اور لیڈر انکو غیر مسلموں کی زیادتیوں اور ظلم پر صرف ٹکرانے کی ترغیب دیتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے سارے عالم میں مسلمان سوائے ٹکرانے کے کوئی اور بات نہیں کر رہے ہیں، تکالیف اور مصیبتوں پر صبر کرنے کا ان کے پاس کوئی خانہ ہی نہیں۔ پچھلے زمانے میں مسلمان صبر کرنے کو بزدلی نہیں سمجھتے تھے مگر موجودہ زمانے میں صبر کرنا بزدلی سمجھتے ہیں، پچھلے زمانے میں مسلمانوں کے پاس جوش کے ساتھ ہوش بھی تھا مگر موجودہ زمانے میں صرف جوش ہی جوش ہے، ہوش بالکل نہیں، اللہ اور اس کے دین کی خاطر ذرا سا بھی نقصان برداشت کرنا نہیں چاہتے۔

موجودہ زمانے میں دعوتی شعور دینے کے باوجود عمومی طور سے دعوتی ذہن کیوں پیدا نہیں ہو رہا ہے؟

موجودہ زمانے میں دعوتی شعور دینے کے باوجود عوام وخواص میں عمومی طور سے دعوتی ذہن پیدا نہ ہونے کی حسب ذیل وجوہات نظر آتی ہیں:

(۱) عرصہ دراز سے دعوتی کام مسلمانوں میں بند پڑا ہوا ہے، اور مسلمانوں کو اس کی طرف متوجہ نہیں کیا گیا ہے۔

(۲) موجودہ زمانہ کی تقریباً تمام دینی درسگاہیں، دعوت کے ذہن و فکر سے بالکل خالی ہیں۔ عام مسلمانوں پر ان درسگاہوں کا کافی اثر ہوتا ہے چونکہ ان مدارس سے دعوت کے تعلق سے کوئی آواز بلند نہیں ہوتی اس لئے مسلمانوں کے درمیان عمومی طور سے "دعوت" کے متعلق کوئی دلچسپی نظر نہیں آرہی ہے۔ ان مدارس سے فارغ ہونے والے طلبہ کا بھی ذہن دعوتی نہیں بنتا، کیونکہ ان مدارس میں تعلیم و تربیت کا جو نظام ہے اس میں "دعوت" کا کوئی حصہ شامل نہیں ہے۔ اس لئے مسلم عوام بھی اور ان مدارس کے فارغین بھی مخصوص اصلاحی کام کے سوا دوسری کسی چیز کو "دعوت" کا کام ہی نہیں سمجھتے اور نہ اس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ چنانچہ انکی سمجھ میں یہ بات ہی نہیں آرہی ہے کہ یہ ان کا بھولا ہوا سبق ہے جو انہیں یاد دلایا جارہا ہے۔

(۳) حضرات علماء کرام کی اکثریت چونکہ دعوتی ذہن و فکر نہیں رکھتی اس لئے ان کی تقریریں، خطابات اور نجی مجلسیں بھی دعوتی گفتگو سے بالکل خالی ہوتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اب کہیں کہیں سے دعوت کی آواز اٹھ رہی ہے تو وہ نامانوس اور اجوبہ سی لگ رہی ہے۔

(۴) پوری دنیا میں کچھ ایسے حالات پیدا ہو گئے ہیں کہ مسلمانوں کو غیر مسلموں سے نفرت سی ہو گئی ہے اور وہ بحیثیتِ ڈاکٹر کے مرض سے بھی نفرت کر رہے ہیں اور مریض سے بھی۔ اس نفرت میں مزید شدت انکے قائدین اور لیڈر پیدا کر رہے ہیں، اس لئے "دعوت" کی آواز کی طرف مسلمان وہ لپک نہیں دکھا رہے ہیں جو دکھانی چاہیئے۔

(۵) پوری دنیا میں مسلمان آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری امت ہیں اور ختمِ نبوت کے بعد "دعوت" اس امت کی بنیادی ذمہ داری ہے ختمِ نبوت کے بعد آخری امت کی حیثیت سے مسلمانوں پر سارے عالم کے انسانوں کی کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟ اس پہلو کو بنیاد بنا کر مسلمانوں کی تربیت نہیں کی جا رہی ہے بلکہ ان کو ایک محدود ذہنیت اور محدود فکر کے ساتھ جگایا جا رہا ہے اور ان کو سارے عالم کا خیر خواہ نہیں بلکہ صرف مسلمانوں کا خیر خواہ بنایا جا رہا ہے اور ان کو صرف اپنی اپنی اصلاح کی ترغیب کے لئے زیادہ زور دیا جا رہا ہے جس کی وجہ سے انکی ذہنیت سکڑ کر رہ گئی ہے اور وہ جامد و ساکت اور بے حس و حرکت قوم بن کر رہ گئے ہیں۔

(۶) موجودہ زمانے میں جو بھی اسلامی لٹریچر شائع ہو رہا ہے وہ صرف مسلمانوں کی ضرورت کو سامنے رکھ کر اور صرف مسلمانوں کے

اصلاح کے لئے شائع کیا جارہا ہے۔ اس لئے اس میں صرف مسلمانوں کے مسائل کا تذکرہ ہوتا ہے، دعوت کی کوئی بات نہیں ہوتی۔ انتہا یہ ہے کہ قرآن کریم میں پیغمبروں کے واقعات کو امتِ محمدیہ کی دعوتی ذہن سازی اور دعوتی تربیت کے لئے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے لیکن آج ان واقعات کو صرف قصہ اور کہانی کے طور پر سمجھا دیا جاتا ہے اور ان واقعات کی اصلی روح کو چھوڑ کر اس کے دوسرے پہلوؤں پر نظر ڈالی جاتی ہے اور محدود سبق دیا جاتا ہے۔ ان واقعات میں عبرت و نصیحت کرنے والوں کو دعوتی پہلو ہی نظر نہیں آتا، یہی وجہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہ جیسے اولوالعزم پیغمبروں کے حالات سننے اور پڑھنے کے باوجود مسلمانوں کی زندگی میں کوئی دعوتی حرکت اور شعور پیدا نہیں ہوتا اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ان واقعات کو ہم پڑھتے اور سناتے ہیں لیکن ان واقعات کو پڑھنے اور سننے کے بعد ہم پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اس کو ہم نہ سوچتے ہیں اور نہ بتاتے ہیں بلکہ ان پیغمبروں کے واقعات کو صرف ان ہی کی ذمہ داری کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔

(۷) مسلمانوں کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ پیش کرکے حضورؐ کی ذاتِ گرامی سے محبت تو پیدا کرائی جاتی ہے، لیکن دعوت کے تعلق سے حضورؐ کی سیرت کا ہم سے کیا تقاضا ہے؟ یہ نہیں سمجھایا جاتا۔ صحابۂ کرام کی زندگی کے حالات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ان کا تقویٰ، ان کی بہادری، ان کی عظمت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم

سے ان کی محبت کا تذکرہ ہوتا ہے لیکن ان حضرات نے دعوت کے سلسلہ میں کیا کیا قربانیاں دیں؟ کیسے صبر کیا؟ اور کتنی محنتیں کیں؟ کس طرح اسلام کو پھیلایا؟ اس کا تذکرہ کم ہوتا ہے۔ حضورؐ کی سیرت کے واقعات اور صحابۂ کرام کے حالات اگر دعوتی نقطۂ نظر سے پیش کئے جاتے تو آج امت میں دعوت کے تعلق سے جو سرد مہری نظر آرہی ہے وہ نظر نہ آتی۔

(۸) جمعہ کے خطبے اور خطابات بہت اہمیت رکھتے ہیں ان سے مسلم معاشرہ کی اصلاح کے ساتھ ساتھ دعوت کا شعور بھی بیدار کیا جاسکتا ہے لیکن ان میں عباداتی فضائل و مسائل، مسلم معاشرہ کی اپنی اصلاح کی باتیں، جنت و جہنم کے تذکرے اور رسم و رواج پر وعظ و نصیحت کی جاتی ہے، کبھی دو طبقوں میں رونما ہونے والے فسادات پر مثبت یا منفی تقریریں بھی ہوتی ہیں، مختلف قسم کی نافرمانیوں پر وعیدیں بھی سنائی جاتی ہیں، یہ سب کچھ ہوتا ہے اگر نہیں ہوتا ہے تو دعوتی.... ذمہ داری کا کوئی تذکرہ نہیں ہوتا۔

(۹) موجودہ زمانے میں اکثر مسلمان..... علم کی کمی اور وسعتِ نظری نہ ہونے کی وجہ سے.... حسب ذیل وسوسوں میں مبتلا ہیں:

(۱) ہمارے ہی اعمال اچھے نہیں ہیں تو ہم کس طرح دوسروں کو دعوت دے سکتے ہیں؟ _____

(۱۱) ہمارے ہی گھر گندے ہیں تو باہر کے مہمان کو ہم کیسے بُلا سکتے ہیں؟ _____

(۱۱۱) ہمارے پاس اتنا علم ہی کہاں کہ ہم غیروں کو دعوت دے سکیں ۔ _____

(۱۷) اگر دوسرے لوگ اسلام قبول کرلیں گے تو ان کو کون سہارا دے گا؟ ۔ _____

غرض اس قسم کے مختلف سوالات پوری دنیا کے اکثر مسلمانوں کے ذہن میں پیدا ہو گئے ہیں جس کی وجہ سے ان کو دعوت الی اللہ کی بات سمجھ ہی میں نہیں آتی۔ حالانکہ جب دعوت کا کام عزم وہمت کے ساتھ شروع کر دیا جائے گا تو اس طرح کے وسوسے خود بخود دور ہوتے چلے جائیں گے۔ مختصر لفظوں میں ان وسوسوں کا ازالہ یوں کیا جائے کہ اعمال خواہ اچھے نہ ہوں لیکن اسلام سراپا "اچھائی" ہے، ہمیں اپنے اعمال کی دعوت نہیں دینی ہے بلکہ اسلام کی دعوت پیش کرنی ہے۔ عین ممکن ہے کہ دعوت کا کام کرتے رہنے سے ہمارے اعمال بھی اسلام کے مطلوبہ سانچہ میں ڈھل جائیں۔

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ہمارے گھر گندے ہیں لیکن جن حضرات کو ہم دعوت دیں گے ان کو اپنے گھر آنے کی دعوت نہیں دیں گے بلکہ اللہ کے گھر آنے کی دعوت دیں گے اور اللہ تعالیٰ کا گھر بالکل پاک و صاف ہے اور جو لوگ اسلام کے دائرہ میں آنا پسند کریں گے وہ اپنے خالق ومالک کی محبت میں اسلام میں داخل ہوں گے، ہم یہ کیوں سوچیں کہ وہ ہمارے معاشرہ پر بوجھ ہوں گے۔ وہ ہاتھ پاؤں، عقل ودماغ طاقت ومحنت کے حامل بھی ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے خزانہ میں کمی نہیں وہ انکی کفالت کرے گا۔

ان تمام نکات کی روشنی میں مسلمانوں کو ہر ہر پہلو سے دعوت کا شعور دیتے ہوئے بیدار کرایا جائے اور ان کو ان کا مقام اور ذمہ داری یاد دلائی جائے تاکہ وہ پوری انسانیت کی جو امانت ان کے پاس ہے وہ دنیا کے ہر ہر انسان کے پاس اپنی اپنی استعداد کے مطابق پہنچا سکیں اور پوری دنیا کو اسلام کی باتیں سمجھا کر اسلام کی دعوت دے سکیں۔

مقصدِ زندگی

اللہ کے فرماں کو لے کر — تم روئے زمیں پر آئے تھے
سوئی ہوئی غافل دنیا کو — خوابوں سے جگانے آئے تھے
بے چین بھٹکتے انسانوں کو — تم راہ دکھانے آئے تھے
پر حیرت ہے تمہاری حالت پر — تم بھول گئے کیوں آئے تھے
فرمانِ خدا اب پہنچائے کون — فرمان کو تم خود کھو بیٹھے
انساں کو جگائے گا اب کون — تم فرض سے غافل ہو بیٹھے
رہبری یہاں اب کرے کون — جب تم خود رہ کو کھو بیٹھے

○

ہاں! بھول نہ جاؤ اے لوگو — تم کون ہو کیوں کر آئے ہو؟
تم فرض کو اپنے پہچانو — جس فرض کو لے کر آئے ہو
تم حق کی دعوت دیتے ہو — یہ فرض تمہارا مقصد ہے
اس فرض کو پورا کر کے رہو — اللہ تمہارا ساتھی ہے

○

موجودہ زمانے میں جن لوگوں کا ذہن دعوتی بن گیا ہے وہ لوگ دعوت کا کام کیوں نہیں کر رہے ہیں؟

موجودہ زمانے میں دعوتی شعور کے دینے کی وجہ سے بعض لوگوں میں دعوتی ذہن پیدا ہوگیا ہے اور وہ دعوت کو پسند کرتے ہیں مگر دعوت کا کام کرتے ہوئے نظر نہیں آتے۔ ان کو دیکھنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ صرف نظریاتی انداز میں دعوتی ذہن رکھتے ہیں یا ان کے نزدیک "دعوت" صرف نظریہ کی حد تک ہے، ان کے شب و روز میں کوئی دعوتی عمل نظر نہیں آتا۔ حالانکہ دعوتی ذہن کے پیدا ہوتے ہی مسلمان کی زندگی میں زبردست تبدیلی اور انقلاب آجانا چاہیئے۔ چنانچہ ایسے بہت سے لوگ آپ کو ملیں گے جو دعوتی شعور تو ضرور رکھتے ہیں اور بار بار کہتے بھی ہیں کہ دعوت بہت ضروری ہے ہمیں ضرور دعوت کا کام کرنا چاہیئے مگر وہ کرتے نہیں، ایسے لوگ دعوت کے عنوان پر جو بھی کتابیں پڑھتے یا لکچر سنتے ہیں، بس تعریف کرتے ہوئے سر ہلاتے ہیں مگر عملی طور پر دعوت کو اختیار نہیں کرتے آخر اس کی کیا وجوہات ہیں؟ ..... غور کیا جائے تو اسکے مندرجہ ذیل اسباب نظر آتے ہیں:

(۱) مسلمانوں کی بڑی تعداد حقیقی ایمان سے بہت دور ہے، ایسے لوگوں کو دعوت الی اللہ کی ترغیب دی جاتی ہے تو وہ دعوت کی

اہمیت وضرورت کو مانتے تو ہیں لیکن دعوت کا کام کرنے کی ہمت پیدا نہیں ہوتی۔ اس لئے مسلمانوں میں دعوتی شعور کے ساتھ ساتھ شعوری ایمان بیدار کرنے کی محنت کرنی ہوگی اور شعوری ایمان کے لئے اللہ کا زیادہ سے زیادہ تعارف، اسلام اور غیر اسلام کا فرق پیش کر کے اسلام کی حقانیت کو سمجھانا ہوگا اور خاص طور پر غیر اسلامی زندگی سے نفرت یا نفی کرانا ہوگا۔ بہت سے مسلمان مغربی تہذیب کو بُرا نہیں سمجھتے اور اسلام کے ساتھ ساتھ غیروں کی نقالی بھی کرتے ہوئے زندگی گذارتے ہیں، ایسے لوگ بھی دعوت کو صحیح اور ضروری مانتے ہیں مگر دعوت نہیں دے سکتے۔

(۲) بہت سے لوگ دعوت کے کام کو پسند تو ضرور کرتے ہیں مگر کاروبار اور مشاغل میں غرق ہونے کی وجہ سے ان کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ وہ اپنی تجارت اور کاروبار کے ساتھ ساتھ دعوت کا کام نہیں کر سکتے، ان کا یہ تصور ہوتا ہے کہ دعوت ایک الگ چیز ہے اور تجارت الگ چیز، انکی سمجھ میں یہ بات ہی نہیں ہے کہ دعوت کے کام میں اور کاروبار میں کوئی تضاد نہیں اور نہ یہ الگ الگ کرنے کے کام ہیں بلکہ صرف نیت اور انداز کے بدلنے سے کاروبار بھی دعوت کا حصہ بن سکتے ہیں۔

(۳) اکثر لوگ دعوت کا نام سنتے ہی یہ سمجھتے ہیں کہ اب انکو بس فوراً کلمہ پیش کرنا پڑے گا۔ آج کے پیچیدہ حالات میں قولوا لا الٰہ الا اللہ تفلحوا کہنا پڑے گا، غیر اللہ کی نفی کرانی ہوگی جب کہ ماحول انتہائی پرآشوب اور فسادی بنا ہوا ہے اور موجودہ "فضا" میں

دعوت کا کام کرنے سے ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا اور پھر لڑائی جھگڑے کے دنگل آباد ہو جائیں گے، حالانکہ دعوت کا طریقہ پہلے ہی قدم پر کلمہ پیش کرنے کا نہیں ہے بلکہ حکمت اور دانش کے ساتھ لوگوں کے دلوں میں جگہ پیدا کر کے بات کرنے کا ہے۔ تجربہ یہ ہے کہ موجودہ ماحول میں بھی سنجیدگی، متانت اور سلیقہ سے کام کیا جائے تو اسلام کا تعارف کرانے اور اس کی حقیقت سمجھانے کی راہ میں نہ کوئی دقت ہے اور نہ کسی آویزش کا خطرہ۔

(۴) بہت سے ایسے افراد بھی ہیں، جنہیں دعوت کے کام کا شوق و جذبہ بھی ہے، وقت بھی دینے کے لئے تیار ہیں لیکن ان کی خواہش ہے کہ کہیں انکی تربیت کر کے ان کو طریقۂ کار بتایا جائے۔ جس طرح ہر شعبۂ زندگی میں تجربہ کار حضرات نو واردوں کی تربیت کرتے ہیں۔ چونکہ ان حضرات کو طریقۂ کار معلوم نہیں ہے۔ اس لئے اپنی امنگ اپنے سینہ میں لئے ہوئے غلطاں و پیچاں رہتے ہیں اور عملی دعوت میں حصہ نہیں لیتے۔ ظاہر ہے کہ ایسے حضرات کی تربیت کا معقول و مناسب نظم کرنا ہوگا۔

کیا دعوت کا کام ہر ملک میں کھلے عام کرنا درست ہے؟

دنیا کے تمام ممالک اور تمام شہروں کے حالات ایک جیسے نہیں ہیں، اسلام کی دعوت کی راہ میں کہیں تو ملکی قوانین سدراہ بنتے ہیں اور کہیں سماج کا بیجا تعصب و تشدد، یہ حالات بھی ہمیشہ یکساں نہیں رہتے، ان میں کبھی نرمی اور کبھی سختی آتی رہتی ہے، جب اور جہاں فضا سازگار ہو تو وہاں بلا تأمل کھلے عام دعوت کا کام کیا جاسکتا ہے اور اسکی تربیت دی جاسکتی ہے لیکن جن مقامات پر کھلے عام کام کرنے سے رکاوٹوں اور دقتوں کا اندیشہ ہو تو وہاں مصالح کا تقاضا ہوگا کہ علی الاعلان نہ تو دعوت کا کام کیا جائے اور نہ اس کی تربیت دی جائے۔

بخاری شریف ۱/۴۹۹ اور ۱/۵۴۴ میں ہے کہ حضرت ابوذرؓ جب خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی جاؤ اور اپنی قوم کے درمیان رہو، جب تم کو یہ خبر ملے کہ میں غالب آگیا تب میرے پاس آنا۔ اسی کتاب میں یہ بھی روایت ہے کہ حضرت ابوذرؓ کو جب حضرت علیؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر چلے تو حضرت علیؓ نے حضرت ابوذرؓ کو فرمایا کہ راستہ میں اگر کوئی خطرہ محسوس ہوگا تو میں جوتے درست کرنے لگوں گا یا استنجاء کی شکل بنا کر بیٹھ جاؤں گا، اس وقت آپ میرے ساتھ مت رکیئے گا بلکہ راستہ چلتے رہیئے گا۔

اس واقعہ میں حضورؐ کا حکم اور حضرت علیؓ کی ہدایت دونوں اس بات کے شاہد ہیں کہ دعوت کے کام میں حالات و مصالح کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

اصابہ ۳/۶ اور جمع الفوائد ۲/۲۲۸ میں ہے کہ حضرت عمرو بن عبسہ کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا تھا کہ :

فارجع الیٰ اھلك فاذا سمعت بی ظھرت فالحق بی۔ (ابھی) اپنے خاندان میں واپس جاؤ، جب سنا کہ میں غالب آگیا تب میرے پاس آجانا۔

⁂ ⁂ ⁂

اسی طرح مکی زندگی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب دعوت کے کام میں مشکلات پیدا کردی گئیں تو حضورؐ نے مکہ کے حدود سے باہر حج کے قافلوں اور مدینہ سے آنے والے وفد کے ساتھ عقبہ کی وادیوں اور حضرت ارقمؓ کے مکان میں خاموش طریقہ سے دعوت کا کام کیا۔

اس لئے جہاں حالات موافق نہ ہوں وہاں عام محفلوں اور عام مقامات میں دعوت کی کوئی بات نہ کہنی ہی مناسب ہوگی اور اخبارات وغیرہ سے تو اپنے پروگرام اور سرگرمیاں نشر کرنا قطعاً نقصان دہ ثابت ہوگا، کیونکہ اس سے شرپسند افراد کو رکاوٹیں کھڑی کرنے کا موقعہ ملے گا۔ اس موضوع پر بڑے بڑے اجتماعات سے عمومی خطاب کے بجائے چھوٹے چھوٹے اجتماعات، نجی مجلسوں اور محفوظ مقامات کو استعمال کرنا ہی حکمت کا تقاضا ہوگا۔

❋❋❋❋❋❋❋

موجودہ حالات کے تحت دعوت کا طریقۂ کار کیا ہو؟

قرآنِ کریم پ۱۴ رکوع ۲۲ میں دعوت کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ حکمت اور موعظتِ حسنہ کے ساتھ دعوت دی جائے اور بحث وگفتگو کا موقعہ آئے تو احسن طریقہ اختیار کیا جائے ——— موجودہ زمانہ میں دعوت کے طریقہ کو تین مرحلوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) ابتدائی مرحلہ کی دعوت (۲) درمیانی مرحلہ کی دعوت (۳) آخری مرحلہ کی دعوت ——— ابتدائی مرحلہ کی دعوت کا کام ہر مسلمان کرسکتا ہے، ابتدائی مرحلہ کی دعوت کے لئے ہر مسلمان مندرجہ ذیل امور اختیار کرے:

○ مساواتِ انسانی کا جو درس اسلام نے دیا ہے اور جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضؓ نے عمل کرکے امت کو بتایا ہے، اسے اختیار کیا جائے۔ اپنے معاشرہ کے تمام لوگوں خصوصاً کمزور انسانوں کے ساتھ انسانی مساوات کی بنیاد پر حسنِ سلوک کیا جائے، نوکروں، ماتحتوں اور خدمت گذاروں کے ساتھ بے عزتی کا برتاؤ نہ کیا جائے تاکہ غیر مسلم بھائی مسلمانوں کے پاس رہ کر یہ محسوس کرسکیں کہ حقیقی عزت اسلامی معاشرے میں ہے، ہمارے سماج میں نہیں۔

○ کوئی شخص بھی ظلم وزیادتی کرے تو حتی المقدور برداشت کریں اور لڑائی جھگڑے کو بہتر انداز سے ٹال کر ماحول کو پرسکون رکھنے کی کوشش کریں۔ بغض وعداوت اور نفرت سے اپنے آپ کو دور رکھیں

ڈاکٹر کو مرض سے نفرت ہوتی ہے مریض سے نہیں۔ مریض نادانی کی کوئی ..... حرکت کر بیٹھتا ہے تو ڈاکٹر اس سے نہ تو ناراض ہوتا ہے اور نہ اس سے انتقام لینے کا کوئی ارادہ رکھتا ہے بلکہ مریض کی حالت پر مزید ترس کھا کر اس سے ہمدردی کرتا ہے۔ اس لئے عام حالات میں مسلمانوں کے لئے صبر اور برداشت ہی مناسب ہے۔

○ غیر مسلموں سے انسانی بنیاد پر صرف اسلام کی خاطر میل جول رکھیں ان کے سامنے اسلامی اخلاق کا مظاہرہ کریں اور کوئی عمل اسلام کے خلاف کہیں بھی ہرگز نہ کریں تاکہ اسلامی اعمال کی خوبیاں وہ کھلی آنکھوں دیکھ سکیں۔

○ محلوں، بستیوں اور کاروبار میں دوسری قوموں کی طرح تعصب اختیار نہ کریں بلکہ تعصب سے پاک اور بلند ہو کر اخوت، ہمدردی اور نیک نفسی کا اظہار کریں۔ خاص طور پر امانت داری کی صفت اپنے اندر پیدا کریں۔

○ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہوئے عدل و انصاف کے معاملات میں اپنے اور پرائے کا فرق روا نہ رکھیں بلکہ سب کے ساتھ انصاف کریں، یہ نہ بھولیں کہ عفو و صلح اور ایثار بہر حال جاذبیت رکھتا ہے۔

○ جن لوگوں سے کوئی وعدہ کیا جائے، اسے ضرور پورا کرنے کی کوشش کی جائے، مزدوروں کو وقت پر پوری طے شدہ اجرت دی جائے، گالی گلوچ اور فحش کلامی سے یکسر پرہیز کیا جائے۔

مسلمانوں میں جو حضرات تجارت پیشہ ہیں یا جو سرکاری دفاتر میں ملازمت کرتے ہیں ان کو روزانہ اپنے غیر مسلم بھائیوں سے ملاقات

ہوتی ہے، ان کو دعوت کے مواقع زیادہ ملتے ہیں، یہ طبقے دعوتی ذہن کے ساتھ اسلامی اعمال و اخلاق اور انسانی مساوات کا مظاہرہ کرنے لگ جائے تو دعوت کا کام ابتدائی طریقۂ کار میں شروع ہو جائے گا۔

عوام الناس کو سب سے پہلے درجہ میں دعوتی کام کی ابتدار کیلئے ان اعمال کو جس میں دعوتی اثر زیادہ ہو اور ان صفات کو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے پہلے اللہ نے عطا فرمائی تھیں اختیار کرنے کی ترغیب زیادہ سے زیادہ دی جائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے آپ کو دعوتی کام پر لانے سے پہلے آپؐ کے اندر چند مخصوص صفات پیدا کی تھیں جو دوسرے لوگوں میں بہت کم تھیں، موجودہ زمانے میں دعوتی کام کے لئے خاص طور پر جن اعمال کی سب سے پہلے ضرورت ہے ان .... پر کسی کی نگاہ ہی نہیں۔ اس لئے دعوتی شعور کے پیدا ہوتے ہی سب سے پہلے یعنی ابتدائی مراحل میں سب سے اونچے معیار والی دعوت کی ترغیب دینے کے بجائے سب سے پہلے مرحلہ والی دعوت کی ترغیب دینا بہتر ہوگا جو ہر مسلمان کے لئے دعوت کا کام شروع کرنے میں آسان ہوگا تاکہ مسلمان آہستہ آہستہ دعوت کے میدان میں ترقی کرتا ہوا سب سے اونچے معیار کی دعوت دینے کا ماہر بن جائے مگر افسوس موجودہ زمانے کے بہت سارے نماز و روزہ کے پابند حضرات کی بھی زندگیاں ان صفات ہی سے خالی نظر آتی ہیں اس کے باوجود کہ وہ نماز و روزہ کے پابند ہیں انکی زندگی کا کوئی اثر دوسروں پر نہیں پڑ رہا ہے اور نہ دوسرے انکی زندگی سے متاثر ہوتے ہیں۔

درمیانی مرحلہ کی دعوت :-

دوسرے مرحلہ میں یہ کرنا چاہیے کہ دعوت میں جڑے ہوئے احباب کے طور طریقے جب اسلامی سانچہ میں ڈھل جائیں اور گفتگو کا سلیقہ آجائے تو موقعہ اور مزاج کو دیکھتے ہوئے اپنے غیر مسلم بھائیوں کے سامنے ایسے سوالات رکھیں جن سے ان کو اپنے مذہب کے بارے میں سوچنے کی فکر پیدا ہو جائے۔ سوالات صاف ستھرے اور ایسی باتوں پر مشتمل ہوں کہ جن کے جوابات ان کے مذہب میں نہ ہوں۔ سوالات میں بدتمیزی اور چھیڑ خوانی نہ ہو بلکہ سنجیدگی اور ہمدردی کا انداز ہو، اس طرح کے سوالات سے انکو اپنے مذہب کے بارے میں تحقیق کا تجسس پیدا ہوگا پھر ان کا یقین ان کے مذہب پر سے متزلزل ہوگا، یہ تجسس اور تزلزل ان کو اسلام کی حقیقت سمجھنے پر مجبور کرے گا۔ انشاء اللہ۔

آخری مرحلہ کی دعوت

آخری مرحلہ کی دعوت یہ ہوگی کہ اسلام کے عقائد، توحید، رسالت، آخرت اور نظامِ حیات کو باقاعدہ مثبت بھی اور تقابلی طریقہ سے بھی سمجھایا جائے تاکہ مدعو کو اسلام اور غیر اسلام کا فرق آسانی سے سمجھ میں آجائے اور اس کے دل و دماغ پر اسلام ہی اسلام چھا جائے اور وہ سوچنے پر مجبور ہو جائے۔ ظاہر ہے قرآن میں جس انداز سے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو سمجھایا ہے اور پیغمبروں نے جس طرح اپنی اپنی قوموں کو مخاطب کر کے دعوت دی ہے، وہ سب سے اونچا اور سب سے اعلیٰ دعوت کا طریقہ کار ہوگا اور ایک داعی اس انداز پر دعوت دینے کیلئے شروع کے دو طریقے اگر اختیار کرتے ہوئے انکی مشق کرتا رہے تو اللہ کے فضل سے امید ہے کہ وہ آخری اور سب سے اونچے درجہ والی دعوت دینے کے قابل بھی بن جائے گا۔

دعوت سے ہمارا مقصد
نہ تو نوٹ اور ووٹ کا حصول ہے
اور
نہ اپنی نفری تعداد میں اضافہ
بلکہ
جامع، مکمل اور سب سے مفید ترین نظامِ زندگی سے
آگاہ کر کے پورے عالمِ انسانیت اور
اپنے ملک کے ساتھ وفاداری اور محبت کا
ثبوت دینا ہے۔

مفتی محمد مصطفےٰ مفتاحی